Shabd Braham E-ISSN 2320 – 0871
International Research Journal of Indian languages 17 May 2016
Peer Reviewed Refereed Research Journal

Rural Life In Short Stories

Haris Hamzah Lone (Researcher)
School Of Languages
Devi Ahilya University
Indore, Madhy Pradesh, India

مختصر افسانے میں دیہاتی زندگی کی عکاسی بحوالہ پریم چند

حارث حمزہ لون ... ریسرچ اسکالر

ایک پرانی کہاوت ہے " **شہر انسان نے بسائے اور گاوں خدا نے**" اور فطرت سے اسی قربت کی وجہ سے گاوں ہمیشہ حسن و سادگی کا مرکز ہیں ۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں کم و بیش ۸۰ فی صد آبادی دیہاتی علاقوں میں رہتی ہیں ۔ اس لیے بیاں زمانہ قدیم سے ہی دیہی مسائل، قدرتی مناظر، دہیاتی ماحول اور وہاں رہنے والے انسانوں کو شعر و ادب کا موضوع بنایا جارہا ہیں۔ اس لئے ہمارے بیشتر نامور شعرا و ادبا عام آدمی اور بلخصوص دیہاتی زندگی اور وہاں کے مسائل، ماحول اور وہاں رہنے والے انسانوں کا موضوع بنایا ۔

دیہاتی زندگی سے پریم چند کی زندگی کا تعلق کئی نوعیتوں کا تھا ۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بیشترحصہ اگر چہ شہروں میں گزارا تھا لیکن وہ ایک چھوٹے سے گاوٗں میں پیدا ہوئے تھے ۔ اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی اُن ہی کھت کھلیانوں، باغ باغیچوں، کچے مکانوں اور سادہ محنتی کسانوں کے درمیان ہوئی تھی جس نے انھیں فطرت پسند اور عوام دوست بنادیا تھا۔ پریم چند کے ان تجربات، مشاہدات اور جزباتی وابستگیوں نے خارجی عوامل سے بھی اثرات قبول کئے تھے جن میں ٹیگور کی فطرت پسندی، ٹالسٹائی کی انسان دوستی، تراجم کے حوالے سے مغربی ادب کی روشن خیالی کے علاوہ نئے سیاسی نظام ،جمہوری شعور کے فروغ اور تحریک آزادی کے قومی عناصر بھی شامل ہوگئے تھے۔ ایک ادیب و فن کار کی حثییت سے ان کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ گرے پڑے عوام ، غریب و محنت کش انسانوں کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کی زندگیوں کو بہتر بنانے کی جدوجہد میں حصہ لے جو بھوک و پیاس، بیماری و افلاس اور نئے زرعی نطام کے بوجھ تلے دبے ہوئے سسک رہے تھے۔

بقولَ سردار علی جعفری :

" وہ شاید پہلے ہندوستانی ادیب ہیں جنھوں نے شعوری طور

پر ادب کے زریعے سے عوام کے مسائل سمجھنے کی کوشش
میں انسان دوستی کی طرف قدم اٹھایا

(ترقی پسند ادب ـ ص ۱۳۹)

پریم چند نے شعوری طور پر ادب کے ذریعے سے عوام کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش میں انسان دوستی کی طرف قدم اُٹھایا۔ وہ گاوں میں ہی پلے بڑے تھے ان کی زندگی کا مقصد ہی تھا کہ اپنے افسانوں میں گاوں کے ماحول و مسائل کی تصویر کشی اور ان کا حل تلاش کرنا۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں دیہات کی زندگی کی مکمل تصویر ملتی ہے۔ انہوں نے گاوں کے ہر گھر کے اندر اندرونی حالات اور بیرونی زندگی میں جھانک کر دیکھا اور معمولی سے معمولی بات کو بھی اس خوبی اور گہرائی سے بیان کیا کہ وہ حقیقت سے زیادہ جاندار اور متحرک نظر آنے لگی ۔

پریم چند کے افسانوں میں دیہاتوں اور گاوں کی زندگی کی مکمل تصویر ملتی ہے کیونکہ اس کا گاوں اور وہاں بسنے والے لوگ بے شمار مصائب اور پریشانیوں میں گرفتار تھے۔ اس لئے ان تمام مسائل کا ہمدردانہ تجزیہ کرکے پریم چند نے حل پیش کرنے کی کوشش کی ۔ ان کے سامنے ہندوستان کے کروڑوں دبے کچلے غریب کسانوں اور محنت کش انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ قرض، فاقہ کشی، جہالت، بیماری، لگان، طلاق، بے جوڑ شادی، توہم پرستی کے علاوہ انگریزوں،ساہوکاروں، زمینداروں ، مہاجنوں اور اونچی ذات والوں کے غریب، مزدور اور کسانوں پر طرح طرح کے اذیت ناک ظلم و ستم پر پریم چند نے اپنے افسانوں میں دکھایا دیا۔ نو آبادیاتی نظام میں زمیندار ، وکیل، پولیس، سرکاری حکام ، مہاجن، برہمن اور دوسرے پیشوں کے لوگ سب برطانوی حکومت کے ساتھ تھے ۔ ان کے مفاد ، اس حکومت کے استحصال سے وابستہ اور سب مل کر غریب انسانوں کی محنت اور دولت کا استحصال کر رہے تھے۔ غیر ملکی حکومت اور انکے اہل کاروں کی نظر میں دیہی عوام کسی بھی توجہ کے مستحق نہ تھے۔ اقتدار محض چند ہاتھوں میں تھا۔ ان کو کھلی چھوٹ تھی اور وہ من مانی کرنے کے لئےآزاد تھے۔ زمین کی ساری ملکیت زمیندار کی تھی وہ جس کو چاہتے کھیتی کے لئے زمین دیتے اور جس کو چاہےبے دخل کر دیتے ۔ عام آبادی جو کسانوں اور مزدوروں پر مشتمل ہوتے ان کی منشا کے مطابق عمل کرنے پر مجبور تھے ورنہ بصورت دیگر ان کو بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس تباہی کا درد انگیز بیان ہمیں نمک کا

داروغہ، کفن، پنچایت، پوس کی رات، قربانی ، ٹھاکر کا کنواں، دو بیل، بے غرض محسن، صرف ایک آواز، بیٹی کا دھن، پچھتاوا وغیرہ افسانوں میں ملتا ہیں ۔ یہ سبھی افسانے دیہات کے مسائل کی برپور نمائندگی کرتے ہیں۔

پروفیسر قمر رایئس ان کے بارے میں لکھتے ہیں :

”پریم چند کی شاہکار کہانیاں وہی ہیں جو گاؤں کے ماحول اور

زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کہانیوں میں پریم چند نے اپنے
تجربات ، اپنے تخیّل کی شادابی اور نفسیاتی بصیرت سے جو
محاکاتی حسن پیدا کر دیا وہ اس عہد کی دوسری کہانیوں میں
کم نظر آتا ہے۔ ان میں ہر کہانی انسانی نفسیاتی کے کسی گوشہ
کو اس طرح بے نقاب کرتی ہے کہ قاری سوچتا رہ جاتا ہے“

(پریم چند کے نمائندہ افسانے۔ ص ۲۰)

پریم چند ایک اصلاح پسند انسان تھے اور ہندوستانی سماجی کی برائیوں کو دور کرنا چاہتے تھے۔ غریبوں پر ظلم ، سرمایہ داروں اور مزہب کے ٹھکیداروں کی زیادتیاں ، اونچی ذات والوں کا دوسروں کو حقیر سمجھنا اور اسی طرح کی دوسری برائیاں انھیں یہاں تڑپا دیتی ہیں۔ اس لئےانھیں دور کرنے کی خواہش ان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ بچپن سے لے کر شباب اور شباب سے لے کر بڑھاپے تک انسان پرطاری ہونی والی ساری کیفیات ہر طرح کے جزبات گونا گوں واردات خوشی ، غم، امیری، غریبی، حاکمیت، غلامی، اقتداری، مجبوری غرض سوسائٹی کا کون سا گوشہ اور انسانی قلب کی کون سی تہہ ہے جس میں جاکر وہ جھانک نہیں آئے تھے۔ اسی جستجو اور بصیرت نے انھیں درجہ کمال عطا کیا ہے۔ انھوں نے ہندوستان کے دیہاتوں میں رہنے والے کسانوں کی زندگی کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہر گوشے کی تصویر کھینچی ہیں ۔ انھیں ہندوستانی لوگوں سے غیر معمولی ہمدردی ہے اور وہ ذات پات کی تفریق کو ناپسند کرتے تھے۔

بقول رادھا کرشن ان کےتمام افسانوں کے پیچھے :

”بنیادی خیال یہ تھا دیہاتی زندگی فنا ہوتی جا رہی ہے، سماج لڑ

کھڑا رہا ، غریبی کا سمندر ہمیں نگل رہا ہے اور کسان اپنے آپ

کو خوش حال بنانا چاہتے ہیں“

(پریم چند کے مختصر افسانے ، مرتب رادھا کرشن ۔ ص ٦)

پریم چند کے کردار غریب ، کسان ، مزدور، بچے اور عورتیں ہیں جو کہ مصیبت و غم کے مارے ہیں ۔ وقت کے تھپڑوں اور انسانی درندوں کے شکار ہیں ۔ دوسروں کی عنایات پر جینے والے، ننگا بدن رہنے والے، بھوکے پیاسے دہقان ہیں۔ زندگی کی جدوجہد میں مرجانا ہی جن کی زندگی ہے ۔ پریم چند حساس دل کے مالک تھے ۔ گاؤں کی پست حالت کو دیکھا اور انکی پستی کے سبب پر غور کیا۔ گاؤں والوں پر سیٹھ ، پٹواری اور زمیندار وغیرہ کے ہوتے ظلم دیکھے ۔ کسانوں کی سادگی اور جہالت اس قسم کی ساری باتیں انھیں بار بار اُکساتی رہیں ۔ پریم چند کے عہد میں اونچ نیچ کی تفریق بہت زیادہ تھا۔ بچھڑی ذات سے تعلق رکھنے والوں کو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا ۔ بدترین حالات کے شکار ، یہ مجبور لوگ غلاموں کی سی زندگی بسر کرتے اور اچھوت یا شودر کہلاتے ، جن کے سائے سے بھی لوگ پرہیز کرتے ۔ وہ نہ تو مقدس کتابوں کو چھوسکتے اور نہ مندروں میں جاسکتے ۔ تعلیم کا سوال تو اُن کے لئے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ پینے کا پانی بھی ایک مسلہ ہوتا۔ ہر بستی کے باہر ایک کنواں ان کے لئے مخصوص ہوتا۔ مادی اور معاشی ترقی کے تمام راستے ان کے لئے مسدود تھے ۔ دو وقت کی روٹی صحیح معنوں میں ان کو میسّر نہ ہوتی ۔ گھر کے سارے افراد کی محنت پر پیٹ بھرتا تو تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا سال بھر بھیگار کرتے ۔ فصل پر اتنا دیا جاتا تھا کہ مشکل سے گزر ہو پاتا۔ دعوتوں کا جھوٹن انھیں کھانے کو ملتا۔ سالوں سال انھیں جانوروں کی طرح برتاؤ اور اتنا کچلا گیا کہ ان میں زندہ رہنے کی جدوجہد کا جزبہ ہی ختم ہوگیا ۔ ان حالات نے جس دیہی معاشرے کی تعمیر کی ، پریم چند نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی تھی اور اپنے چار جانب پھیلی ہوئی مفلسی ، بیچارگی اور کسمپرسی دیکھ کر ان کا حساس دل تڑپ اُٹھا، ان کے اندا کا فنکار جاگ آٹھا ۔

بقولِ رشیدحسن خان :

” انھوں نے گاؤں کو اپنا مقصد، اپنا فن اور اپنی زندگی بنا لیا“

(پریم چند کا تنقیدی مطالعہ ، ڈاکٹر قمر رئیس، تعارف۔ ص ۱۱)

پریم چند نے آخری لمحوں تک اپنی تحریروں سے ان مجبور، کمزور اور پسماندہ افراد کی بھر پور ترجمانی کی۔ ان کے مسائل سے دیگر آبادی کو باخبر کیا اور اِن پسے ہوئے افراد کے لئے ہمدردی کی فضا پیدا کی۔ افسانہ ” خون سفید “ میں انھوں نے کروڑوں مظالم انسانوں میں سے محض چند کو اپنا موضوع بنا کر ان کے حالِ زار ، درد ناک کوائف کو بیان کیا ہے جو

برسوں برس سے قرض ، بیگار، بھوک اور افلاس کی چکی میں اس طرح پیسے گئے کہ زندگی کی کسی بہار، کسی بھی سر خوش کو ان سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا اور جن کا تعلق زندگی سے گویا بیگانوں کا سارہ گیا ہو :

" بیساکھ کی وہ جلتی ہوئی دھوپ، آگ کے جھونکےزور زور
سے ہر ہراتے ہوتے چلتے تھے اور وہاں ہڈیوں کے بے شمار
ڈھانچے جن کے بدن پر عریانی کے سوا کوئی لباس نہ تھا، مٹی
کھودنے میں مصروف تھے گویا مرگھٹ تھا جہاں مردے اپنے
ہاتھوں اپنی قبریں کھودرہے تھے "

(خون سفید ۔ پریم چند ۔ ص ١٦٤)

اس عہد کا زمیندار خود یا اپنے کارندوں کے ذریعے کسانوں سے جبریہ لگان وصول کرتا تھا۔ اس سلسلے میں اس حقیقت سے کوئی واسطہ نہ ہوتا کہ کسان کی فصل کیسی ہوئی ؟ کمر توڑ محنت کے باوجود کسان اپنے کھیتوں سے کچھ پاسکا یا نہیں ۔ اس کو تو بہر حال لگان وصول کرنا ہوتا۔ کسان مجبور تھا کہ وہ اپنا اور اپنے متعلقین کا پیٹ کاٹ کر لگان ادا کرے خواہ وہ قرض و بیگار کے کتنے ہی بوجھ تلے دب کر اور بھی بدحال ہوجائے۔ پریم چند نے پوس کی رات میں کسان کے المیہ کی داستان سنائی ہے۔ کسان باوجود شدید محنت کے اتنا بھی پس انداز نہیں کر پاتا کہ سرما کی طویل راتوں سے اپنے کو محفوظ رکھ کر کھیتوں کی صحیح نگہداشت کرسکے۔ مزکورہ افسانہ کا ہیرو **'ہلکو'** شدید سردی سے خود کو محفوظ رکھنے کا امکان جتن کرتا ہے لیکن پھر بھی صورت بر نہیں آتی :

" جب کسی طرح نہ رہا گیا تو اس نے جبرا کو دھیرے سے
اٹھایا اور اس کے سر کو تھپ تھپ کر اسے گود میں سلا لیا "

(پوس کی رات ۔ مجموعہ پریم چند کے مختصر افسانے۔ ص ١٣٤) انگریزوں نے غیر ممالک سے ہندوستان میں مال بر آمد کرنا شروع کیا اس سبب کسانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی۔ افسانہ 'قربانی' کے ہیرو ہرکھو کی قابل رحم حالت ملا حظہ ہو :

" آج سے بیس سال پہلے اس کے شکر بنتی تھی ، کئی ہل
کی کھیتی ہوتی تھی۔ کاروبار خوب پھیلا ہوا تھا لیکن بدیشی
شکر کی آمد نے اسے اتنا نقصان پہنچایا کہ رفتہ رفتہ کارخانہ
ٹوٹ گیا، ہل ٹوٹ گیا، کاروبار ٹوٹ گیا، زمین ٹوٹ گئی اور وہ
خود ٹوٹ گیا " (افسانہ قربانی۔ پریم چند)

غیر ملکی شکر آنے کی وجہ سے 'ہرکھو' کو ایسا نقصان ہوا کہ وہ معاشی طور بلکل ٹوٹ جاتا ہے اسے سخت صدمہ پہنچا ہے اور وہ ملیریا میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ بغیر دوا کے پانچ ماہ تک بستر علالت پر پڑا رہتا ہے۔ کانسٹیبل منگل سنگھ اور مکھیا جھوٹی تسلیاں لے کر عیادت کے لئے آتے ہیں ان کی خود غرضی کا یہ حال ہے کہ' ہرکھو' کے مانگنے پر بھی دوائی کی مدد نہیں کر تے ۔ حتٰی کی اس بیماری میں وہ مرجاتا ہے۔ پریم چند مذکورہ معاشرے کے ایک عام انسان تھے۔ چناچہ انہوں نے اپنے افسانوں میں بھی عام طور سے ایسے افراد کو موضوع بنایا جن کی زندگی مشقتوں سے عبارت ہوتیں اور جہد مسلسل میں بیت جاتیں:

" پریم چند نے دیہاتی کسانوں کی زندگی میں جدوجہد، عمل،
محنت اور فاقہ مستی کو ساتھ ساتھ پیش کیا ہے۔ کسان قرضوں
میں زندگی کے دن گزارتاہے اور قرضوں کو میراث چھوڑکر مر
جاتا ہے اس کا حوصلہ و امنگ خانگی زندگی کی معمولی ضروریات
پامال کر دیتی ہیں اور وہ خالق رزق ہونے کے باوصف بھوک اور
مفلسی کی زندگی بسر کرتا ہے "

(پریم چند کا رہنما ۔ ڈاکٹر جعفر رضا۔ ص **٢٠٣**) زمیندار کے بعد اہم مرتبہ دھرم کے ٹھیکیداروں کو ہوتا۔ یہ برہمن ہوتے جو ساری مزہبی رسوم کی ادائیگی کرتے۔ ان کا یہ سلسلہ موروثی کرتا۔ پریم چند افسانہ 'معصوم بچہ' میں اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ پنڈت چاہتا ہے کہ

” دُنیا اس کی تعظیم اور خدمت کرے اور کیوں نہ چاہے جب اجداد
کی پیدا ہوئی ملکیتوں پر آج بھی لوگ قابض ہیں گویا انھوں نے
خود پیدا کی ہو تو وہ کیوں اس تقدس امتیاز کو ترک کردے جو
اس کے بزرگوں نے پیدا کیا تھا۔ یہی اس کا ترکہ ہے “

(معصوم بچہ۔ مجموعہ واردات ۔ ص ۲۳۔ ۲۵) ہریجن اور پسماندہ افراد کو مزاج اور دائرہ فکر، برہمنوں کے حسب منشاء اس طرح ہموار ہوا کہ انھوں نے برہمن کی تابعداری کو ہی اپنا مزہب سمجھ لیا۔ ان غریبوں کے اندر فکر کی وضاحت پریم چند نے اپنے افسانہ ’دودھ کی قیمت‘ میں اس طرح کی ہے :

” راجا کا دھرم الگ، پرجا کا دھرم الگ، امیر کو دھرم الگ، غریب کو
دھرم الگ، راجے مہاراجے جو چاہیں کھاہیں، جس کے ساتھ چاہیں
شادی بیاہ کر لیں ، ان کے لئے کوئی قید نہیں، راجا ہیں “

(دودھ کی قیمت ، مجموعہ پریم چند کے مختصر افسانے۔ ص ۱۰۱)

گاؤں کی زندگی میں تیسری اہم شخصیت ساہوکار کی ہوتی اور یہ بعض اوقات پرسبقت لے جاتا۔ وہ عام لوگوں کو مختلف صورتوں میں استحصال کیا کرتا۔ افسانہ ’انصاف کی پولیس‘ میں پریم چند نے دکھایا ہے کہ ایک شخص اس پیشے کو اپنا کر محض چند سکوں سے لاکھوں کو آدمی بن جاتا ہے اور سماج میں سیٹھ ، ساہوکار یا مہاجن کہلاتا ہے ۔ مہاجن جن زندگی کے ہر فعل کو نفع و نقصان کی کسوٹی پر پرکھتا ہے ۔ دان، پُن اور دیگر مزہبی امور میں بھی اس کے یہاں لالچ کا دخل ہوتا ہے :

” جب گھی کے کاروبار میں نفع کثیر ہونے لگا تھا، ایک دھرم
شالہ بنوانے کی فکر میں تھے ----- انھوں نے خوب حساب کرکے
دیکھ لیا تھا ۔ اس کارِ خیر میں ان کی جیب سے ایک کوڑی بھی
خرچ نہ ہوگی ۔ زمین ایک بیوہ کی تھی ------- معمار سب ان کے اسامی
تھے اور مزدوری کرکے سود ادا کرنا چاہتے تھے۔ اینٹ والا بھی ان
سے کئی سال پہلے قرض لے گیاا ور اصل کی دو چند رقم ادا کر چکنے
کے بعد بھی اس پر ان کے ہزاروں روپئے نکلتے تھے۔ اس لئے یہ
مرحلہ بھی طئے تھا۔ وہ دس ہزار بیس ہزار کی دستاویز لکھا لے،
بس دھرم شالہ تیار ہے ‘

(انصاف کی پولیس ۔ مجموعہ واردات ۔ ص۔ ۱۵٦ ۔ ۱۵۷)

مزہب سے عوام کی اندھی عقیدت کا اس نے خوب خوب فائدہ اُٹھایا ، عوام میں توہم پرستی پیدا کی اور ان میں ایسی رسوم کا چلن کیا کہ مزہب ادارے اور اس کی شخصیت کو روزبروز زیادہ اہمیت حاصل ہوتی گئی ۔ ساہوکار حاجت مند کو سود پر نقد و جنس فراہم کرتا۔ عموماً کسان ، مزدور اور دیگر لوگ ضرورت پڑنے پر اس سے رجوع کرتے۔ پہلی بار ہی جو اس کے چنگل میں پھنس جاتا تمام عمر نکل نہ پاتا ۔ ساری زندگی وہ سود در سود ادا کرتا مگر اصل رقم پھر بھی بنی رہتی ۔ اس طرح دیہی معاشرے میں عمومًا زمیندار اور اس کے کارندے، پنڈت اور ساہوکار اپنے اپنے مفاد کے لئے سرگرم رہتے تھے۔ افسانہ ’سوا سیر گیہوں ‘ میں جب شنکر نے پنڈت جی سے کہتا ہے کہ میں سوا سیر گیہوں کے بدلے ساڑھے پانچ من گیہوں کہاں سے لا کردوں ؟ تو پنڈت مہاراج کہتے ہیں کہ یہاں نہ دو گے تو بھگوان کے گھر دو گے۔ شنکر اس جملہ کو سُن کر مزہبی امور میں اپنی اندھی عقیدت مندی کی وجہ سے کانپ اُٹھتا ہے اور بے بس ہو کر کہتا ہے :

” میں تو دے دوں گا مگر تمہیں بھگوان کے یہاں جواب دینا پڑے گا
پنڈت جی کہتا ہیں
وہاں کا ڈر تمہیں ہوگا، مجھے کیوں ہونے لگا۔ وہاں تو سب اپنے ہی
بھائی بند ہیں ۔ رشی منی سب تو برہمن ہی ہیں، دیوتا برہمن ہیں، جو
کچھ بنے بگڑے گی سنبھال لیں گے “

(سوا سیر گیہوں ۔ پریم چند ۔ ص ۔ ۲۳۷)

پنڈتوں اور برہمنوں کی برتری اور ظلم سے پورا گاؤں نالاں رہنے کے باوجود بھی کسی کو ان کے خلاف آواز اُٹھانے کی جرت نہیں تھی۔ افسانہ ' نجات' میں دُکھی چمار اپنی بیٹی کے لگن کے شبھ مہورت نکلوانے کے لئے پنڈت گھاس رام کی چوکھٹ پر جاتا ہے ۔ وہاں پہلے تو پنڈت اس پر بغیر کسی اُجرت کے خوب کام تھوپ دیتا ہے۔ غریب بھوکا پیاسا دُکھی اپنے گھر کی تیاریاں چھوڑ کر پنڈت کے دئے ہوئے کام میں لگا رہتا ہے اور سخت لکڑی پھوڑتے پھوڑتے وہیں مرجاتا ہے۔ اسے انصاف ملتا تو دُور رات بھر لاش پڑی رہنے کے بعد اسے گھسیٹ کر گاؤں کے باہر پھینک دیتا ہے جہاں چیل اور گدھ اُسے نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں ۔ ایسے سارے افسانے پریم چند کے یہاں ملتے ہیں جن میں انسانوں کی ایسی حیوانیت پیش کی گئیٔ ہے جسے دیکھ کر حیوان بھی کانپ اُٹھے ۔

پریم چند کے زمانے میں گاؤں میں مختلف قسم کی برائیاں ، اونچ نیچ کی تفریق اور زمینوں کو غاصبانہ طور پر ہڑپنے کے واقعات عام ہوتے ہیں ۔ غریبی، مفلسی اور تنگ دستی کبھی انسان کے دامن کو بھی داغدار بنا دیتی ہے ۔اس کی ایمانداری ، خوداری اور اس کے محنت خاک میں ملا دیتی ہے۔ دوسروں کی آسودہ حال زندگی کو دیکھ کر اسے اپنی خودی، دیانتداری اور اپنی محنت فضول لگتی اور تنگ دستی، شب و روز کی مشقت اور محرومی پر وہ چیخ اُٹھتا ہے۔ ان مظلوموں کا قصور صرف یہ ہوتاہے کہ وہ اَن پڑھ اور غریب ہوتے ہیں اور اُن کا تعلق نیچ ذات سے ہوتا ہے ۔

پریم چند کا نمائیدہ افسانہ 'کفن' جو اپنے اندر بہت سے سوالوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ انسان حیوانوں کی سی زندگی گزارنے کے لئے کیوں مجبور ہے ؟ کیا انسان پیدایشی اعتبار سے کاہل اور کام چور ہے ؟ کیا بھوک موت سے بڑی حقیقت ہے ؟ کیا برے طرح دبائے اور کچلے جانے پر بھی اندر کا انسان مرجاتا ہے ؟ پریم چند نے نئے زرعی نظام کے اجارہ دارانہ پس منظر میں گھیسو اور مادھو کے ذریعے ان سوالوں کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جو اپنی سماجی ذمہ داریوں سے اس لئے انحراف کرتے ہیں کیونکہ اسکی تعمیر و تشکیل میں ان کا کوئی با عزت حصہ نہیں ہے اور جب کام کرنے پر بھی بھر پیٹ روٹی نہیں ملتی تو پھر وہ کیوں اپنے جسم کو تکلیف دیں ۔ لیکن بے حسی کا یہ قالب چڑھا لینے کے باوجود ان کے اندر کا انسان زندہ رہتا ہے۔ لیکن خود فراموشی کے لئے ایسے شاطر ذہن کی ضرورت ہے جہاں نا مساعد حالات میں دوسروں کی کمزوریوں سے استفادہ کرسکے اور یہ کمزوری ہمیشہ ہی ظلم اور جرم کے خوف سے پیدا ہونے والے جذبہ تراحم میں موجود رہتی ہے جو زندوں کو تو دھتکار سکتی ہے لیکن بے کفن لاش، بے ضمیر حواس کے لئے بوجھ بن جاتی ہے ۔ گھیسو کی استحصال زدہ نفسیات اسی جذبہ تراحم کو خود فراموشی کے لئے استعمال کرتی ہے اور یہ تاثر چھوڑ جاتی ہے کہ جب استحصال پسندی اپنی حدود سے تجاوز کر جاتی ہے تو وہ استحصال زدہ طبقہ کے لئے ذریعے استحصال میں تبدیل ہونے لگتی ہے جہاں درد خود دوا بن جاتا ہے ۔

پریم چند سے قبل اردو افسانے کے نقوش انتہائی دھندھلے ہیں ۔ انہوں نے سب سے پہلے اردو کے افسانوی ادب کا رشتہ زمین سے جوڑا اور ہندوستان کی دیہی زندگی کے مسائل کو افسانوں کا موضوع بنایا۔ وہ افسانوی ادب جو محض بادشاہوں، شہزادوں ، ما فوق الفطرت عناصر وغیرہ کے بیان تک محدود تھا، اس میں پہلی بار گاؤں کے مسائل ، عام انسانوں کے دُکھ درد ، غم اور خوشی کے منظر بھی دیکھنے کو ملے ۔ پوس کی رات ہو یا بوڑی کاکی ، پنچایت ہو عیدگاہ ، نمک کا داروغہ ہو یا بڑے گھر کی بیٹی، انصاف کی پولیس ہو یا صرف ایک آواز ، بدنصیب ماں ہو یا دودھ کی قیمت پریم چند نے کسی نہ کسی سماجی مسلہ کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ انہوں نے اُردو کے افسانوی ادب کو صحیح معنوں میں نہ صرف عکس حیات بلکہ تنقید حیات کے درجے تک پہونچا دیا ۔ پریم چند کے یہ دیسی افسانے نئے زرعی نظام کے پس منظر میں سماج حقیقت نگاری کی ایسی روشن مثال ہیں جو انسانی زندگی کے مختلف پہلوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں ۔ اگر چہ یہ زرعی نظام اب ختم ہوچکا ہے لیکن اس سے پیدا ہونے والے سماجی رویے اب بھی مختلف شکلوں میں جاری ہیں اور جب تک یہ رویے باقی رہیں گے ۔ پریم چند کے دیہی افسانوں کی معنویت بھی بر قرار رہے گی۔

مختصر یہ کہ پریم چند ایک مصلح قوم تھے اور ایک ایسے سماج کی تعمیر کرنا چاہتے تھے جہاں غریب اور ستم رسیدہ لوگ بھی سکون اور عزت سے دو وقت کی روٹی کھا سکیں ۔ دیہات اور گھروں میں پائے جانے والے مسائل کی مکمل آگاہی کے لئے پریم چند کے افسانے مشعل ہدایت ہیں